ĪQĀN -Vol: 04, Issue: 02, Jun-2022
DOI.10.36755/iqan142.2022,PP: 9-20

OPEN ACCESS
Name
3336-2617pISSN:
3700-2617eISSN:
www.iqan.com.pk

اسلام کے قانون بین الاقوام پر اعتراضات کا علمی جائزہ

An Analysis of the Objections Related to the International Law of Islam

** **Dr Nadeem Abbas*** < *abbas.nadeem@uog.edu.pk* >
Lecturer,Department of Islamic Studies, University of Gujrat, Gujrat.
*** **Dr Shagufta Naveed,*** < *shaguftanaveed1976@gmail.com* >
Department of Islamic Studies, GIFT University, Gujranwala

Version of Record
Received: 30-April-22; **Accepted** :13-May-22; **Online/Print**: 30-Jun-22

ABSTRACT

The purpose of this research article is to examine the objections regarding the international Islamic law. This law guarantees peace, prosperity, respect for humanity, mutual relations and the promotion of equality on the earth. It has a unique status in human history. The Qur'an, Hadith and Islamic jurisprudence played a pivotal role in its formation. This ideal law proposed by Islam played an extraordinary role in establishing cordial relations between the nations. The majority of scholars confirm and appreciate this historical evidence. Contrary to this positive attitude, some orientalists have raised some objections regarding the international Islamic law. Muslim scholars and Dr. Muhammad Hameedullah have scholarly examined these objections. It is very important to study the thoughts of Muslim scholars and Dr. Muhammad Hameedullah in order to understand the Islamic thought and to remove the objections on the international Islamic law. This article is presented to fulfill this scholarly need..

***Keywords**: Dr. Muhammad Hameedullah, Hadith, International Islamic Law, Islam, Islamic Jurisprudence, Orientalists, Quran*

CC BY

موضوع تحقیق کا تعارف، اہمیت اور پس منظر:

اس تحقیقی مضمون کا مقصد اسلام کے قانون بین الاقوام پر اعتراضات کا علمی جائزہ لینا ہے۔ قانون بین الاقوام کرہ ارض پر امن، خوش حالی، احترام انسانیت، باہمی تعلقات اور مساوات کے فروغ کا ضامن ہے۔ اسلام کے قانون بین الاقوام کو انسانی تاریخ میں منفرد حیثیت حاصل ہے۔ اس کی تشکیل میں قرآن، حدیث اور فقہ اسلامی نے اساسی کردار ادا کیا۔اسلام کے پیش کردہ اس مثالی قانون نے اقوام عالم کے درمیان خوش گوار تعلقات کے قیام میں غیر معمولی کردار ادا کیا۔اہل علم کی اکثریت ان تاریخی شواہد کی تصدیق و تحسین کرتی ہے۔اس مثبت رویے کے بر عکس بعض مستشرقین نے اسلام کے قانون بین الاقوام سے متعلق بعض اعتراضات کیے ہیں۔ مسلم مفکرین بالخصوص ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ان اعتراضات کا علمی جائزہ لیا ہے۔ فکر اسلامی کی تفہیم اور اسلام کے قانون بین الاقوام پر ہونے والے اعتراضات کو رفع کرنے کے لیے ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے افکار کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔اسی علمی ضرورت کی تکمیل کے پیش نظر اس مضمون کی تشکیل عمل میں آئی ہے۔خیال رہے کہ دو ریاستوں یا مملکتوں کے باہمی برتاؤ سے متعلق امور و معاملات کا نام قانون بین الممالک ہے ڈاکٹر حمید اللہ کے بقول اسلام کا قانون بین الممالک وہ ہے جو کسی قانون کا حصہ یا اس سر زمین کا عرف و تعامل یا معاہدہ ہو جس کی پابندی مسلمانوں کے لیے عملًا یا قانونًا ضروری ہو۔[1]

اسلام کے قانون بین الاقوام کے لیے عربی میں علم السیر اور القانون الدولی، انگریزی میں اسلامک انٹر نیشنل لاء اور اردو میں اسلام کا قانون بین الاقوام و اسلام کا قانون بین الممالک کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے جس کی توضیح و تشریح اور تفہیم میں مسلم علماء نے انتہائی اہم اور کلیدی کردار ادا کیا[2]جس کے نتیجے میں" علم السیر " پر کثیر مواد اکٹھا ہو گیا اولًا لفظ "السیر " امام زید بن علی نے کتاب المجموع میں استعمال کیا بعد ازاں امام ابو حنیفہ نے باقاعدہ "السیر " کے نام سے ایک رسالہ تحریر کیا جس کا امام اوزاعی نے رد لکھا پھر امام ابو یوسف نے اس کا رد لکھ ڈالا جو "الرد علی سیر الاوزاعی " کے نام سے معروف ہوا۔ بعد ازاں امام محمد بن حسن شیبانی نے باقاعدہ دو کتب " السیر الکبیر "اور "السیر الصغیر " لکھیں پھر ان پر سرخسی کی شروحات نے اس فن کی مزید گرہیں کشادہ کیں جس سے متقدمین مسلم علماء کے اہم اقدامات کا اندازہ ہوتا ہے متاخرین مسلم اسکالرز نے اسلام کے قانون بین الاقوام کی تفہیم میں انتہائی اہم کردار ادا کیا جس طرح کہ علمائے عرب میں سے ڈاکٹر وہبہ زحیلی کی کتاب " العلاقات الدولیۃ فی الاسلام "[3]، ڈاکٹر صبحی محمصانی کی " القانون والعلاقات الدولیۃ فی الاسلام "[4]استاد ابو زہرہ مصری کی " ''العلاقات الدولیۃ فی الاسلام " ، عثمان جمعہ کی کتاب " اصول العلاقات الدولیۃ فی الاسلام "[5]،ڈاکٹر احمد شلبی کی کتاب : العلاقات الدولیۃ فی الفکر الاسلامی "[6]اور علمائے برصغیر میں سے ڈاکٹر محمود احمد غازی کی " اسلام کا قانون بین الممالک" [7]، سید ابو الاعلی مودودی کی " الجہاد فی الاسلام "[8]اور اس فن میں بالخصوص ڈاکٹر محمد حمید

[1] Muhammad Hamidullah,Dr,The Muslim Conduct of state,(Sh. Muhammad Ashraf ,7-Aibak Road ,Lahore-Pakistan),P.3.

[2] دیکھیے ہمارا مقالہ "بین الاقوامی تعلقات کی تفہیم و وسعت: مسلمانوں کی علمی خدمات سے استفادہ کی ضرورت "القلم، دسمبر 2019ء)

[3] وھبہ زحیلی، ڈاکٹر، العلاقات الدولیۃ فی الاسلام، بیروت: دار الفکر، ۱۴۰۳ھ

[4] صبحی محمصانی، ڈاکٹر، القانون والعلاقات الدولیۃ فی القانون الشریعۃ، بیروت: دار العلم، سن ن

[5] عثمان جمعہ ضمیریۃ، ڈاکٹر، اصول العلاقات الدولیۃ فی الاسلام، اردن: دار المعالی، ۱۹۹۹ء

[6] شلبی، احمد، ڈاکٹر، العلاقات الدولیۃ فی الفکر الاسلامی، مصر: مکتبۃ النھضۃ المصریۃ، ۱۹۸۷ء

[7] محمود غازی، ڈاکٹر، اسلام کا قانون بین الممالک، اسلام آباد، شریعۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی

[8] مودودی، سید ابو الاعلیٰ، الجہاد فی الاسلام، لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، ۲۰۰۹ء

اللہ نے اسلام کے قانون بین الاقوام کی توضیح و تشریح اور تفہیم میں گراں قدر خدمات سر انجام دیں ڈاکٹر محمد حمید اللہ "اسلام کا قانون بین الممالک" کی اصطلاح کے بانی قرار پائے ڈاکٹر صاحب نے اس فن سے متعلق: اسلام کے قانون بین الممالک کے اصول اور نظیریں،[1] محمد رسول اللہ ﷺ[2]، الوثائق السیاسیۃ[3]، رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی[4]، اسلامی ریاست[5]، خطبات بہاول پور (ایک باب)[6]، اور مقالہ جات میں عہد نبوی کی سیاست خارجہ کے بعض اصول[7]، عہد نبوی کی سیاست خارجہ کا شاہکار (صلح حدیبیہ)[8]، فراسۃ النبی فی السلم والحرب[9]، اسلامی قانون اور قانون روما[10]، ھل تاثر الفقھی فی القانون الرومانی[11]، اور دیگر کئی کتب و رسائل اور مقالہ جات تحریر کیے ۔ مغربی مفکرین کی آراء کے علمی و تحقیقی جائزہ پر "اسلام کا قانون بین الممالک اصول اور نظیریں"، "اسلامی ریاست" و "خطبات بہاولپور" اور اس سے متعلق مقالہ جات انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔ روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اسلام کا قانون بین الاقوام ان گنت خصوصیات کا حامل ہے جن میں سے چند یہ ہیں: اس کا مصدرِ اصلی قرآن و سنت ہے جو کہ وحی الٰہی اور خدائی احکامات پر مشتمل ہے جبکہ دیگر قوانین عقل سے مستفاد ہیں ،اسلامی قانون ہر دور کی ضروریات اور تقاضوں کو پورا کرتا ہے ، یہ قانون جامع و کامل اور عالمگیر و ہمہ گیر ہے ، اسلام کا قانون بین الاقوام کسی قانون سے ماخوذ نہیں اس کے مصادر قرآن و سنت ،اجماع اور قیاس ہیں ،اسلام کا قانون بین الاقوام تا قیامت باقی رہے گا جبکہ دیگر قوانین اپنے اختتام کو پہنچ چکے ہیں یا جلد پہنچ جائیں گے رومی قانون کے زوال کے متعلق ڈاکٹر حمید اللہ رقمطراز ہیں کہ "رومی سلطنت جب عمر طبعی کو پہنچ کر خانہ جنگیوں اور اجنبی حملوں کا شکار ہو گئی تو قدر نعمت بعد زوال اس کے امن وامان اور عظمت کا یورپ میں ہر طرف حسرت کے ساتھ ذکر ہوتا تھا اپنے عروج کے زمانہ میں رومی غرور کا یہ حال تھا کہ روما کو "سدآباد شہر" سمجھا جاتا تھا اور خود سلطنت روما کی پرستش ہوتی تھی چوتھی صدی عیسوی کے آخر میں سلطنت روما کے خاتمے کے بعد یوروپ میں خانہ جنگیوں اور نراج کی سی کیفیت تھی جو صدیوں تک جاری رہی"۔[12] اسی طرح دیگر غیر اسلامی قوانین بھی اپنے اپنے انجام کو پہنچے دراصل وحی الٰہی اور اس کے اصولوں پر مبنی اسلام کے قانون بین الاقوام کو ہی تا قیامت دوام ہے۔ چونکہ اسلام کے قانون بین الاقوام کے میدان میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ بر صغیر کا سب سے بڑا نام ہے ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے جو اسلام کے قانون بین الاقوام پر وارد اعتراضات کے جوابات دیے ہیں وہ سب سے جامع و مضبوط ہیں اس لیے ڈکٹر محمد حمید اللہ کی علمی خدمات سے استفادہ کرنے کے لیے ان کی کاوشوں کا ذکر کیا جائے گا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اسلام کے قانون بین الاقوام کی درج بالا خصوصیات کو براہین قاطعہ

---

[1] مکتبہ ابراہیمیہ، حیدر آباد، دکن 1355ھ
[2] بیکن بکس، اردو بازار، لاہور، دسمبر 2011ء
[3] دار النفائس، بیروت، 1987ء
[4] دار الاشاعت، جناح روڈ، کراچی، 1999ء
[5] الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور، جون 2005ء
[6] ادارہ تحقیقات اسلامیہ، اسلام آباد، جولائی 2010ء
[7] مجلہ نظامیہ حیدر آباد دکن، مئی 1938ء
[8] سہ ماہی سیاست، حیدر آباد دکن، اپریل 1942ء
[9] ماہنامہ فاران، کراچی، پاکستان، ستمبر 1953ء
[10] ماہنامہ چراغ راہ، کراچی، پاکستان، جون 1958ء
[11] الکویت، فروری 1966ء
[12] محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، اسلام کا قانون بین الممالک اصول اور نظیریں، مکتبہ ابراہیمیہ، حیدر آباد، دکن (1355ھ)، ص 23

سے ثابت کیا اور اس کے دفاع کا بیڑہ اٹھایا اور اس پر وارد اعتراضات کے دندان شکن جوابات دیے ہیں کسی سے پنہاں نہیں کہ مغربی مفکرین نے قرآن و سنت اور ذات رسالت ﷺ کو ہدف بنا کر اعتراضات وارد کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی یہاں تک کہ اسلام کے قانون بین الممالک کو قانون روما اور گروتیئش کے قانون سے ماخوذ قرار دیا نیز یونانیوں کو اس کا مصدر اصلی قرار دیا بعد ازاں اس کے چودھویں یا پندرھویں صدی میں آغاز کے راگ آلاپنے لگے ڈاکٹر حمید اللہ ان کے زبان داں اور مزاج شناس تھے، نے مستشرقین کی آراء کا تحقیقی جائزہ لے کر اسلام کے قانون بین الاقوام کو دلائل ساطعہ کے ساتھ قرآن و سنت سے ماخوذ قرار دیا نیز مسلم مفکرین کی خدمات اور اسلام کے قانون بین الاقوام کا پس منظر بیان کر کے تمام شکوک و شبہات کا ازالہ کیا ڈاکٹر حمید اللہ کے افکار کے مطالعہ سے اسلام کے قانون بین الاقوام پر لگائے گئے بے بنیاد الزامات کی حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے نیز اسلام کے قانون بین الاقوام کی تمام جہات واضح ہو جاتی ہیں لہٰذا مقالہ ہذا" اسلام کے قانون بین الاقوام پر اعتراضات کا علمی جائزہ" کو منظر عام پر لانا انتہائی ضروری معلوم ہوتا ہے۔اسی ضرورت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے درج بالا موضوع تحقیق کا انتخاب کیا گیا ہے۔

2۔اسلام کے قانون بین الاقوام پر اعتراضات

اسلام کے قانون بین الاقوام کی غیر معمولی اور آفاقی حیثیت ہر قوم و ملت پر عیاں ہے مغربی مفکرین اس کی قبولیت سے خوف زدہ نظر آتے ہیں جس کی وجہ سے اسلام کے قانون بین الاقوام کو متنازع بنانے کی کوشش میں مصروف عمل رہتے ہیں کبھی اسے غیر جامع، کبھی قانون روما سے ماخوذ اور کبھی دیگر قوانین سے مستفاد قرار دیتے ہیں مستشرقین اور مغربی مفکرین کے چند اعتراضات ملاحظہ فرمایے!

1. مغربی مفکرین بنیادی طور پر اسلام کے قانون بین الاقوام کو کسی صورت تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں یہی وجہ ہے کہ وہ اس جامع و عالمگیر اور ہمہ جہت قانون کو بے بنیاد اور غیر اہم قرار دینے کوشش میں لگے رہتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ اسلام کا قانون بین الاقوام غیر جامع اور قانون روما سے ماخوذ ہے جبکہ ڈاکٹر حمید اللہ کے مطابق قانون روما کسی حیثیت سے بھی ایک جامع قانون نہ تھا اور نہ ہی مصدری حیثیت کا حامل تھا کیوں کہ یہ قانون دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ایک رومیوں کے لیے اور دوسرا غیر رومیوں کے لیے اسی تقسیم نے دونوں قوانین میں بہت زیادہ فرق اور امتیاز پیدا کر دیا جس کے سبب قانون روما اپنی بین الاقوامی حیثیت کھو بیٹھا جو قانون خود غیر جامع ہو اس سے جامع قانون کے ماخوذ ہونے کا دعوی کرنا ایک عجوبہ ہے۔ہاں کسی قانون کی جزیات کا کسی قانون سے مشابہ ہونے کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ وہ اسی سے ماخوذ ہو۔
2. مغربی اور بعض غیر مسلم مفکرین کا کہنا ہے کہ قانون بین الاقوام سب سے پہلے یونانیوں نے متعارف کروایا وہی اس کے بانی ہیں اسلامی قانون کا اس سے ماخوذ ہونا بعید نہیں۔ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے یونانی قانون کو محدود اور مخصوص افراد کے لیے وضع کیا گیا قانون قرار دیا ہے جس میں باقی دنیا کو وحشی گردانا گیا ڈاکٹر صاحب نے ثابت کیا کہ اسلامی قانون یونانی قانون کا کسی طرح بھی محتاج نہیں۔
3. مغربی تاریخ نگاروں کے ہاں چودھویں پندرھویں صدی تک اسلام کے قانون بین الاقوام کا ذکر نہیں ملتا جبکہ یہ اعتراض تاریخ سے عدم واقفیت کی وجہ ہے ڈاکٹر حمید اللہ نے اسے بے بنیاد قرار دے کر ثابت کیا کہ اسلام کے قانون بین الاقوام کا عہد رسالت میں ہی آغاز ہو چکا تھا نیز اسلام کے قانون بین الاقوام کے علاوہ باقی قوانین یہاں تک کہ ماڈرن قانون بین الاقوام بھی اپنی حیثیت کو ثابت نہ کر سکا۔
4. ڈاکٹر مجید خدوری کے ہاں اسلامی قانون بین الممالک جانب دار ہے جس کی وجہ سے یہ دو حصوں میں تقسیم ہوتا ہے ایک دار الحرب اور دوسرا دار

الاسلام۔[1] ڈاکٹر حمید اللہ نے اس پر ایک مکمل مقالہ پیش کیا جس کا عنوان تھا "اسلام کے بین الاقوامی تعلقات میں غیر جانبداری کے اصول" جس میں ثابت کیا کہ مستشرقین کا یہ اعتراض بھی بے بنیاد ہے۔

3۔ اسلام کے قانون بین الاقوام پر اعتراضات کا علمی جائزہ:

مسلم مفکرین میں سے ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اسلام کے قانون بین الاقوام پر اعتراضات کا انتہائی اہم انداز میں محققانہ جائزہ پیش کیا یقیناً وہ اس فن میں انتہائی گہری نظر رکھتے تھے اسی لیے انہوں نے اسلام کے قانون بین الاقوام کی تشکیل جدید میں اہم کردار ادا کیا یہاں تک کہ معاصرین کے نزدیک عصر جدید میں اس فن کی جدید اصطلاحات اور اس کے دفاع کے مجدد و بانی قرار پائے ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنی کتب میں بارہا غیر مسلم مفکرین کے نظریات و تصورات کا ذکر کیا پھر ان کا ناقدانہ جائزہ پیش کیا آج بھی مغربی دنیا جس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے مستشرقین کی آراء ذکر کے ان کا رد لکھا ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

الف۔ قانون روما سے ماخوذ ہونا:

رومی سلطنت میں تشکیل دیا جانے والا قانون، قانون روما (رومن لاء) کہلاتا ہے رومی سلطنت کے دو ادوار معلوم ہوتے ہیں: مغربی رومی سلطنت اور مشرقی رومی سلطنت مغربی رومی سلطنت کا خاتمہ 476ء اور مشرقی رومی سلطنت کا خاتمہ 800ء کو ہوا۔ رومن لاء کا آغاز چوتھی یا پانچویں صدی قبل مسیح ہوا، اس کی شدت سے ضرورت اس وقت محسوس کی گئی جب سلطنت روما میں افریقی ممالک سمیت کثیر تعداد میں ممالک شامل ہو گئے جن کی کثرت اور ان کے آپس میں تعلقات کی وجہ سے قانون بین الاقوام کی ضرورت پیش آئی۔[2] جس کو انہوں نے تشکیل دینے کی کوشش کی۔ قانون روما کی تشکیل اور اس کی ضرورت کے متعلق ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں کہ روما جب تک شہری مملکت رہا رومیوں نے کوئی نئی بات پیدا نہیں کی وہ یونان سے مشابہ رہے۔[3] البتہ تیسری صدی قبل مسیح کی ابتداء میں رومیوں نے ایک وسیع سلطنت قائم کر لی اور دنیا کے مالک ہونے کا دعوی شروع کیا۔ اس کی ایک خاص خصوصیت یہ تھی کہ اس میں بہت سی قومیں رہتی تھیں۔[4] بعض مغربی مفکرین کا کہنا ہے کہ اسلام کا قانون بین الاقوام قانون روما سے ماخوذ ہے جبکہ اسلام کے قانون بین الاقوام کی وسعت و ہمہ گیریت سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ قانون قرآن و سنت کے علاوہ کسی غیر سے ماخوذ نہیں ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ قانون روما کی حیثیت کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سلطنت روما کا اصول یہ تھا کہ مفتوحہ علاقوں کو بڑی حد تک اندرونی خود مختاری عطا کرے ان ماتحت حکمرانوں میں اگر کوئی جھگڑے پیدا ہوتے تو قیصر روم کے پاس مرافعہ ہوتا اور اس کا حکم فیصلہ کن ہوتا۔[5] اس طرح ایک "عام برتر حاکم" کا تصور پیدا ہو گیا جو بعد میں بہت سی قوموں میں موروث ہو کر بہت دن باقی رہا۔ لیکن سلطنت روما کے اندر بسنے والوں کے قانون بین الاقوام کو قانون بین الممالک کہنا سخت غلطی ہے۔[6] رومیوں کی تقسیم اور عمل درآمد کے حوالہ سے ڈاکٹر

---

[1] Islamic Law for war and peace (1955)

[2] علی، علی منصور، الشریعۃ الاسلامیۃ والقانون الدولی العام، مصر: مکتبہ القاہرہ، ۱۹۸۱ء، ص: ۲۵

[3] فلپسن، انٹرنیشنل لاء اینڈ کسٹم آف انشنٹ گریس اینڈ روم (دو جلد 1911ء) 4/1

[4] اسلام کا قانون بین الممالک اصول اور نظیریں ص 14

[5] فنک، انٹرنیشنل لاء (نیویارک 1924ء) ص 11

[6] اسلام کا قانون بین الممالک اصول اور نظیریں ص 15

محمد حمید اللہ کا کہنا ہے کہ رومیوں نے دنیا کو تین حصوں میں تقسیم کیا تھا رومی سلطنت، معاہد ممالک اور حربی ممالک۔ معاہد ممالک کی رعایا سلطنت روما میں آتی تو محفوظ رہتی اور ان کے لیے کوئی شکایت یا مخاصمت پیدا ہوتی تو پریٹر پیر یگرینس (مفتی عدالت خارجہ) کے مشوروں سے یس کنیتیم (قانون اقوام) کے مطابق انصاف رسانی بھی ہوتی جو موجودہ تصادم قانون سے مشابہ اور جس کو رفتہ رفتہ قانون فطرت کے مطابق سمجھا جانے لگا تھا جن ممالک سے دوستی یا حلیفی کا کوئی معاہدہ نہ ہوتا تو وہ حربی سمجھے جاتے۔ دوران جنگ حربی کے کوئی قانونی حق نہیں مانے جاتے تھے اور صرف صوابدید پر عمل ہوتا۔[1] قانون روما سے متعلق مستشرقین اور غیر مسلم مفکرین کا یہ اعتراض ہے کہ اسلام کا قانون بین الاقوام قانون روما سے ماخوذ ہے ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ان کے اس اعتراض کو باطل اور بے بنیاد قرار دیتے ہوئے مغربی مفکرین کی کتب کا حوالہ دیا اور کہا کہ پانچ مغربی فضلاء نے اسلامی قانون پر روما کے اثرات سے متعلق اپنی کتب میں بحث کی لیکن کوئی بھی اس نتیجے پر نہ پہنچا کہ اسلامی قانون پر روما قانون کا اثر ہوا ہو جب اس کا کوئی وسیلہ ہی نہیں، قانون روما سے اخذ پر کوئی شواہد ہی نہیں، نہ ہی مشابہت ہے اور نہ ہی الفاظ کے انتخاب میں کوئی مطابقت ہے تو اسلامی قانون کو قانون روما سے ماخوذ ماننا نری جہالت ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ رقمطراز ہیں کہ "حال ہی میں ایک عربی کتاب "تاثر الفقہ الاسلامی من القانون الرومی" آئی جو پانچ مغربی فضلاء کے مقالات کے ترجمہ پر مشتمل ہے ان پانچوں نے اسی موضوع سے بحث کی ہے کہ آیا اسلامی قانون پر رومی قانون کا اثر ہوا ہے یا نہیں؟ ان مؤلفوں میں سے ایک اطالوی ہے، ایک انگریز ہے، ایک فرانسی ہے وغیرہ وغیرہ۔ حیرت ہوتی ہے کہ پانچوں کے پانچوں اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اسلامی قانون پر رومی قانون کا کوئی اثر نہیں ہوا اور اس پر وہ بھی حیرت کرتے ہیں چنانچہ ایک مؤلف نے اپنے مقالہ میں حیرت کا اظہار کیا ہے کہ اسلامی قانون خود بخود کیسے بن گیا؟۔[2]

لہٰذا مغربی مفکرین خود اس بات کو تسلیم کر چکے ہیں کہ اسلامی قانون رومی قانون سے ماخوذ نہیں نہ ہی ان کو اس کے کوئی شواہد مل سکے۔ ڈاکٹر حمید اللہ یہ بھی فرق واضح کرتے ہیں کہ ان قوانین کی اصطلاحات اور دائرہ کار بھی مختلف ہے وہ لکھتے ہیں کہ:

> "اسلامی کتابوں اور رومی قانون کی کتابوں میں ایک ایک چیز کو لیجیے اگر ایک دوسرے سے ماخوذ ہے تو ظاہر ہے کہ جس نے اخذ کیا ہو تو اس پر اصل ماخذ کے کچھ نہ کچھ اثرات باقی رہ جاتے ہیں مگر ہمیں اسلامی قانون میں ایسی کوئی چیز نظر نہیں آتی مثلاً رومی قانون کو "یُس" کا نام دیتے ہیں اور مسلمان "فقہ" کلیُس کے معنی ہیں حقوق اور فقہ کے معنی ہیں معرفت۔ مسلمانوں نے اپنے قانون کو یُس یا حقوق کا نام کبھی نہیں دیا"[3]

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے انتہائی خوبصورت اور محققانہ انداز میں چند مغربی مفکرین کے اعتراض کو مسترد کر دیا انہوں نے اسلام کے قانون بین الاقوام اور قانون روما میں فرق کو بیان کیا مثلاً قانون روما کا نصاب اور اس کی وسعت کو سامنے رکھیں تو ذرا برابر بھی ذہن اس طرف جانے کو تیار نہیں کہ اسلام کا قانون بین الاقوام کسی طرح بھی قانون روما سے ماخوذ ہوا ہو ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا کہنا ہے کہ:

> "رومن لاء کی کتاب کھولیے تو اس کا پورا مواد تین اقسام پر مشتمل نظر آئے گا۔ قسم اول کا نام ہوگا اشخاص کا قانون پھر مال کے قانون کے متعلق جب کہ تیسری قسم کو مقدمات کا نام دیا گیا ہے اسلامی قانون کی کتاب کھولیے تو پہلے عبادات ملیں گی یعنی نماز، روزہ، حج

[1] فنک ص14

[2] اسلام کا قانون بین الممالک اصول اور نظیریں ص15

[3] محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، اسلامی ریاست، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور (جنوری 2005ء) ص153

، زکوۃ۔ اس کے بعد معاملات ملیں گے اس کے بعد قانون تعزیرات ہوگا اگر رومی قانون سے اسلام قانون متاثر ہوا ہوتا کم از کم ان خالص تکنیکی چیزوں میں تو اس کے اثرات باقی رہتے یعنی اسلامی قانون بھی اشخاص، مال اور مقدمات پر مبنی ہوتا لیکن ایسا بالکل نہیں ہوتا" [1]

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے مطابق قانون روما میں پہلے کہیں پر بھی عبادات کا ذکر نہیں جبکہ اسلامی قانون میں پہلے عبادات کا ذکر ملتا ہے وہ کہتے ہیں کہ :

"اسلامی قانون میں میں بلا استثنا حنفی، مالکی، شافعی اور شیعہ وغیرہ تمام فرقوں کی کتابوں میں عبادات کا ذکر پہلے آتا ہے لیکن رومی قانون کی کسی کتاب میں عبادت کا کبھی ذکر نہیں آتا۔ غرض یہ کہ اسلامی قانون پر رومی قانون کا اثر ایک بے دلیل دعوی ہے" [2]

ایک اور مقام پر ڈاکٹر حمید اللہ نے مسلمان مفکرین کے کسی ایسا مقام پر جانے کو بھی تسلیم نہیں کیا جہاں رومی قانون موجود تھا جس سے انہوں نے اسلامی قانون اخذ کیا ہو وہ لکھتے ہیں کہ : "جس زمانے میں مسلمانوں نے ان علاقوں کو فتح کیا جو بازنطینی سلطنت کا حصہ تھے اس زمانے میں وہاں پر رومی قانون نافذ ہی نہیں تھا مختلف وجوہ سے مقامی باشندوں کو خود مختاری دے دی گئی تھی اور ان کے معاملات عدلیہ کو ان کے مذہب کے افسروں یعنی پادریوں کے سپرد کر دیا گیا تھا۔ جب رومی قانون کا اس علاقے میں وجود ہی نہیں تھا جہاں مسلمانوں نے قبضہ کیا تھا تو اس متاثر ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ [3] بعض ہمارے مؤلفین کے دل میں شبہ پیدا ہوا کہ شاید بیروت میں مسلمانوں نے رومی قانون کی تعلیم حاصل کی ہو اس کا انہوں نے بڑا تکنیکی اور محققانہ انداز میں جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ "ایک اور چیز جو ہمارے مؤلف بیان کرتے ہیں کہ رومی قانون کی تعلیم شہر بیروت میں ہوتی تھی بعض مؤلفوں نے کہا ہے کہ غالبا اس مدرسہ کے اثرات مسلمانوں پر پڑے ہوں گے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ مدرسہ اسلام سے دو سو سال پہلے بند ہو چکا تھا اس زمانے میں وہاں اس کا وجود ہی نہیں تھا۔[4]

ان تمام تر تاریخی حقائق اور عقلی دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے کوئی جواز ہی باقی نہیں رہتا کہ اسلام کے قانون بین الاقوام کو رومی قانون سے ماخوذ قرار دیا جائے ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اس کو جہالت اور بے بنیاد قرار دے کر مضبوط دلائل سے رد کر دیا ہے جہاں ڈاکٹر صاحب نے اس موضوع سے متعلق اپنی مختلف کتب میں بحث کی وہاں اس موضوع پر باقاعدہ مقالہ بھی تحریر کیا جس کا عنوان "هل تاثر الفقهي في القانون الروماني [5] ہے بلکہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ان کے قانون کو قانون بین الممالک کہنا ہی سخت غلطی قرار دیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ :

"سلطنت روما کے اندر بسنے والوں کے قانون بین الاقوام کو قانون بین الممالک کہنا ہی سخت غلطی ہے" [6]

لہٰذا اسلامی قانون کا مصدر قانون روما نہیں بلکہ قرآن و سنت ہے اور ان سے ثابت شدہ اصول و قواعد ہیں۔ اسلامی قانون جامع و کامل و ہمہ گیر اور اپنی علیحدہ حیثیت و اہمیت رکھتا ہے۔

---

[1] محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، اسلامی ریاست، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور (جنوری 2005ء)، ص 153

[2] ایضاً، ص 153

[3] اسلامی ریاست، ص 153

[4] ایضاً، ص 154

[5] (الکویت، فروری 1966ء)

[6] اسلام کا قانون بین الممالک اصول اور نظیریں، ص 15

ب۔ یونانی قانون سے ماخوذ ہونے کا اعتراض

یونانی قانون کے متعلق ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے یہ فرمایا تھا کہ ہمیں یونان کے احوال پر زیادہ آگاہی حاصل ہے اس میں نسل، رواج، زبان اور مذہبی یکسانیت بہت زیادہ ہے یہی وجہ ہے کہ ارسطوطالیس نے دعوی کیا تھا کہ فطرت نے یونانیوں کو غلام ہونے کے لیے ہی پسند کیا وہ فرماتے ہیں کہ :

"یونان کے حالات ہمیں نسبتاً زیادہ معلوم ہیں خود 1200 ق۔م میں جب کہ الیون (ٹروے) پر سارا یونان چڑھ دوڑا تھا یونان میں بہ کثرت ہم نسل، ہم رواج، ہم زبان، ہم مذہب خود مختار سلطنتیں نظر آتی ہیں۔ ڈیلفی میں جو مندر تھا اولپیا میں جو میلہ لگتا اور کھیل کے مقابلے ہوتے تھے اس میں یونان کی ہر مملکت سے لوگ آتے تھے اگرچہ ارسطوطالیس کے الفاظ میں فطرت نے غیر یونانیوں کو غلام ہونے کے لیے ہی پیدا کیا ہے"[1]

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے یونانی قانون کو غیر جامع قرار دیا اور کہا کہ یونانیوں کا قانون صرف ان کے دائرہ میں ہی محدود ہے وہ بین الاقوامی قانون کہلوانے کا حق دار نہیں ہے کیوں کہ وہ ان کی ذات کے لیے تھا باقی انسانیت کے ساتھ برتاؤ سے متعلق قانون معین و واضح نہیں ہے ڈاکٹر حمید اللہ کہتے ہیں :

"قدیم یونان کی تاریخ میں شہری مملکتوں کے تعلقات کی نوعیت کچھ ایسی تھی جس کی بنا پر میں اس کو انٹر نیشنل لاء قرار دینے کے لیے آمادہ نہیں یونان کے باشندے سب ایک ہی نسل کے تھے سب ایک ہی زبان بولتے تھے ایک مذہب رکھتے تھے لیکن الگ الگ شہروں میں رہتے اور ہر شہر اپنی جگہ مطلق آزاد خود مختار ہوتا آپس میں لڑائیاں اور جنگیں بھی ہوا کرتی تھیں لیکن مغربی مصنفین کے بیان کے مطابق یونان کی شہری ریاستوں میں اگر کچھ معین قواعد تھے تو صرف ہم نسل یونانیوں کے ساتھ برتاؤ کے متعلق تھے ایک یونانی شہر جو خود مختار مملکت کی صورت رکھتا دوسرے یونانی شہر کے ساتھ تعلقات میں چند معین ضابطہ با قاعدہ نہیں تھا کبھی کچھ برتاؤ ہوتا اور کبھی کچھ کوئی اس سے باز پرس کا حق نہیں رکھتا تھا"[2]

اسلامی بین الاقوامی قانون کے مقابلہ میں یونانی قانون کی خامیوں کو سامنے رکھتے ہوئے ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اسے محدود اور خاص افراد کے لیے قرار دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یونانی قانون کو غیر مکمل اور ناکافی تصور کرتے تھے ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ :

"یونانی بین الممالک قانون میں خامی یہ تھی کہ وہ صرف ایک محدود تعداد کے انسانوں سے متعلق تھا۔ باقی ساری دنیا کو وحشی قرار دے کر یونانی اس قابل نہیں سمجھتے تھے کہ ان کے ساتھی کسی معینہ قاعدے پر عمل کریں۔ یہ معینہ قاعدے جو ہم وطن اور ہم نسل لوگوں سے متعلق تھے وہ بھی آج ہمیں وحشت کے حامل نظر آتے ہیں، لیکن بہر حال وہ معینہ قاعدے تھے۔ اس بنا پر ہم اس کو ایک اساس کے طور پر قبول کرتے ہیں کہ انٹر نیشنل لاء کے آغاز میں قدیم ترین مثالیں ہم کو یونان میں ملتی ہیں جہاں خود مختار شہری مملکتیں حالت امن و جنگ میں چند معینہ قواعد پر عمل کرتی تھیں"[3]

ڈاکٹر حمید اللہ یونانی قانون کی مزید کمزوریوں کو سامنے لائے اور بتایا کہ یہ قانون صرف ہم نسل یونانیوں کے لیے تھا غیر یونانیوں سے غیر منصفانہ سلوک کیا جاتا تھا یونانی بین الاقوامی قانون تشکیل دینے میں ناکام رہے یہی ان کی غیر مقبولیت کی وجہ ہے ڈاکٹر محمد حمید اللہ رقمطراز ہیں کہ :

---

[1] اسلام کا قانون بین الممالک اصول اور نظیریں، ص12-13

[2] محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، اسلامی ریاست، ص151

[3] ایضاً، ص151

"یہ بیان کرنا کہ یونانیوں نے بڑے قدیم زمانے میں اس بات کی نظیر چھوڑی ہے کہ بہت سی خود مختار سلطنتیں ایک دوسرے کی خود مختاری کو مانتی ہوئی پر امن طور سے ہمسایہ رہ سکتی ہیں اور ان کے باہمی تعلقات ،برتاؤ کے چند ایسے مقررہ قاعدوں کے مطابق ہو سکتے ہیں جن کو سب مانتے ہوں لیکن یاد رہے کہ ان قواعد کا اطلاق صرف ہم نسلوں (یونانیوں) کے مابین ہوتا تھا۔بربری (غیر یونانی) قومیں کسی بات پر حق نہیں جتا سکتی تھیں۔ان سے یونانی قانون نہیں بلکہ نوامیس انسان یعنی عالمگیر (یا معقول و مناسب) قانون متعلق ہوتا تھا مگر اس کی سختی اور نامعقولیت بڑی وجہ تھی"[1]

ڈاکٹر حمید اللہ سمجھتے تھے کہ یونانی قانون نامکمل اور غیر یونانیوں کے لیے اجنبی تھا جس سے چند ہم زبان اور ہم نسلوں کے علاوہ کوئی قوم فائدہ نہ اٹھا سکی یہاں تک کہ یونانی قانون اپنی اہمیت کھو بیٹھا۔ جبکہ اسلام کے قانون بین الاقوام کے متعلق ڈاکٹر حمید اللہ کا کہنا تھا کہ یہ ایک جامع ،کامل اور ہمہ گیر قانون ہے جو تمام اقوام کے لیے راہنما کی حیثیت رکھتا ہے جس کے مصدر قرآن وسنت ہیں نہ کہ یونانی قانون اسلام کا قانون بین الاقوام اپنے اندر وسعت اور جامعیت رکھتا ہے۔اس میں امت مسلمہ کے عظیم رجال یعنی فقہاء کی خدمات کا ایک تسلسل اور محنت موجود ہے۔[2]

ج۔اسلام کے قانون بین الاقوام کے آغاز کا علمی جائزہ

مغربی مؤرخین لکھتے ہیں کہ اسلام کے قانون بین الاقوام کی تاریخی کوئی حیثیت نہیں کیوں کہ ایک ہزار سال سے لے کر چودھویں پندرھویں صدی عیسوی تک کے عرصہ میں اسلام کے قانون بین الاقوام کا ذکر نہیں ملتا جبکہ انٹر نیشنل لاء کا آغاز ہو چکا تھا ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ان کے اس مؤقف کو جاہلانہ قرار دیا اور اس قانون کے انٹر نیشنل لاء ہونے کو بھی تسلیم نہیں کیا انہوں نے اسلام کے قانون بین الاقوام کی پوری تاریخ بیان کی اور ثابت کیا کہ اسلام کے قانون بین الاقوام کا باقاعدہ آغاز عہد رسالت میں ہو چکا تھا ڈاکٹر حمید اللہ کہتے ہیں کہ :

"ان حالات میں مجھے یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں قانون بین الممالک جو حقیقت میں بین الممالک بھی ہو اور قانون بھی ہو مسلمانوں سے شروع ہوتا ہے۔اس کا آغاز کس طرح ہوا؟اور چیزوں کی طرح یہ بھی رسول اکرم ﷺ کی سیرت پر مبنی ہے ،کیوں کہ جب مکہ معظّمہ میں اسلام شروع ہوا تو ابتداء میں بہت سی عملی دشواریاں تھیں کیوں کہ مسلمانوں کے پاس کوئی علیحدہ مملکت نہیں تھی وہ شہر مکہ میں رہتے تھے اور ہم اس کے متعلق یہ کہہ سکتے ہیں کہ مملکت کے اندر ایک مملکت کی حیثیت رکھتی تھی یعنی مسلمانوں کی آباد شہر مکہ مین تو تھی لیکن شہر مکہ کے پرانے نظام کے تحت نہیں تھی پرانے شہر مکہ کا جو حاکم تھا اس کی وہ اطاعت نہیں کرتے تھے اور اپنی ہر ضرورت کے لیے اپنے سردار رسول اکرم ﷺ سے رجوع کرتے ان کا اپنا علیحدہ قانون تھا اپنی علیحدہ تنظیم تھی"[3]

اس سے معلوم ہوا کہ اس قانون کا باقاعدہ آغاز رسول کریم ﷺ کے عہد مبارک سے ہی ہو گیا تھا ڈاکٹر حمید اللہ مزید فرماتے ہیں کہ "شہر مکہ میں جب اسلام کا آغاز ہوا تو مسلمانوں کی حیثیت ایک مملکت در مملکت تھی لیکن جب ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو وہاں چند ہی ہفتوں کے اندر مسلمانوں نے ایک مملکت قائم کر دی جس کا دستور بھی ہم تک پہنچا ہے۔۔۔رسول اکرم ﷺ کا طرز عمل مسلمانوں کے لیے نظیر بنتا گیا کبھی تو قولی حدیث کے ذریعے سے اور کبھی فعلی حدیث کے

[1] اسلام کا قانون بین الممالک اصول اور نظیریں، ص13

[2] محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، اسلامی ریاست، ص155

[3] ایضاً، ص155

ذریعے سے بہر حال دونوں طریقوں سے اسلامی قانون بنتا گیا اور انٹر نیشنل لاء کا اسلامی تصور وجود میں آیا۔[1] ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے تفصیلی نکات سے واضح کر دیا کہ اسلام کے قانون بین الاقوام کا آغاز عہد رسالت سے ہو چکا تھا اس لیے اس کو تاریخ کے اوراق سے نکالنا نری جہالت والا علمی اور تاریخ کو مسخ کرنا ہے کون نہیں جانتا کہ مسلمانوں نے دنیا پر ایک عرصہ حکومت کی اور اسلامی قانون کا نفاذ کیے رکھا۔ ڈاکٹر حمید اللہ مغربی مؤرخین کے اس مؤقف کا مزید دلائل سے رد کرتے ہوئے ماڈرن انٹر نیشنل لاء کی محدودیت و ناقصیت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ " جسے مغربی مصنفین ماڈرن انٹر نیشنل لاء کہتے ہیں مین اس کو بھی انٹر نیشنل لاء کہنے کے لیے تیار نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ 1856ء تک معینہ قاعدوں پر یورپ میں صرف عیسائی سلطنتوں کے آپ کے تعلقات کے ضمن میں عمل کیا جاتا رہا غیر عیسائی سلطنتوں کے لیے ان معینہ قواعد پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی 1856ء میں پہلی مرتبہ مجبوراً یورپی عیسائی سلطنتوں نے اعتراف کیا کہ اس قاعدے کا اطلاق ایک غیر عیسائی سلطنت یعنی ترکی کے ساتھ بھی ہو گا اس کے بعد تقریباً ساٹھ ستر سال کا پھر وقفہ پڑا اور دوسری سلطنت جس کو یورپی کمیٹی نے انٹر نیشنل لاء کے قواعد کا اہل سمجھا وہ جاپان تھا جب اس نے 1905ء کی جنگ میں روس کو شکست دی اس کے بعد پہلی جنگ عظیم شروع ہوتی ہے اس وقت کچھ اور سلطنتوں کو بھی اس کا اہل سمجھا گیا۔۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد اقوام متحدہ کا قیام عمل میں آیا اگر انٹر نیشنل لاء چند مخصوص قوموں کے لیے نہیں بلکہ اس کا اطلاق دنیا کے تمام ملکوں پر یکساں ہونا چاہیے تو اس قانون کا آغاز مسلمانوں سے ہوا اور شاید اب بھی مسلمانوں کے ہاں ہی وہ قانون ہے۔ [2]ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے یوں ہی مختلف دلائل سے ثابت کیا کہ دنیا میں جو قانون مکمل جامعیت کے ساتھ رائج رہا وہ اسلام کا قانون بین الاقوام ہے۔

د۔ اسلام کے قانون بین الاقوام میں جانب داری کا تصور:

بعض مغربی مفکرین نے اسلام کے قانون بین الاقوام کو غیر آفاقی اور جانب دار قرار دیا جس کے جواب میں ڈاکٹر حمید اللہ نے اس کی آفاقیت کو بیان کیا اور واضح کیا کہ اسلام کا قانون بین الاقوام صرف اسلامی ممالک تک محدود نہیں بلکہ جملہ اقوام و ممالک کے لیے اپنے اندر وسعت رکھتا ہے ڈاکٹر حمید اللہ رقمطراز ہیں کہ :

> " قانون اسلامی کے اصل ماخذوں یعنی قرآن اور سنت میں اسلامی قانون مابین ممالک اسلامیہ بالکل نہیں ملتا لیکن مسلمانوں کا قانون بین الممالک بڑی تفصیل سے ملتا ہے کہ مسلمان حکمران غیر مسلم ممالک سے حالت امن و جنگ و غیر جانبداری میں کس طرح برتاؤ کرے (اس پر جرمن میں میں نے ایک مفصل مقالہ لکھا جس کا ایک حصہ چھپ چکا ہے) اس طرح یہ ناگزیر بات تھی کہ حقیقی اور عالمگیر قانون بین الممالک سب سے پہلے مسلمانوں میں پیدا ہوتا۔ چنانچہ عربوں نے احکام، نظائر اور رواج وغیرہ کو مدون کر کے اس قانون کو نہ صرف بڑی ترقی دی بلکہ پہلی صدی ہجری کے اواخر ہی میں اسے ایک مستقل اور علاحدہ فن بنا دیا"[3]

اگر ہم اسلام کے قانون بین الاقوام اور دیگر قوانین یا دوران جنگ کے احوال کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی قانون میں غیر جانب دار کے مکمل حقوق موجود ہیں جبکہ دیگر اقوام میں ایسا نہیں ہے نہ ہی ان کے پاس اس سے متعلق کوئی جامع قانون موجود ہے یاد کھیے کہ کچھ ریاستیں جانب دار ہوئی اور کچھ کو جانب دار بنایا جاتا رہا 1815 میں انگلستان، آسٹریا، فرانس، پروشیا، اور روس نے سوئٹزر لینڈ کو غیر جانب دار قرار دیا یوں بیلجیم کو بھی 1831ء میں غیر

---

[1] محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، اسلامی ریاست، ص156-159

[2] ایضاً، ص154

[3] اسلام کا قانون بین الممالک اصول اور نظیریں، ص21-22

جانبدار قرار دیا گیا۔ غیر جانب داری سے مراد یہ ہے کہ کوئی مملکت یا ریاست دو فریقین میں جاری جنگ کا حصہ نہ بنے اور تعلقات کو قائم رکھے۔ ہندوؤں اور رومیوں کے ہاں غیر جانبداروں کے حقوق و فرائض کا تصور موجود نہیں جبکہ اسلامی بین الاقوامی قانون مین اس کی صراحت قرآن و سنت اور فقہاء کے ہاں ملتی ہے۔ غیر جانب داری کے متعلق ڈاکٹر محمد حمید اللہ رقمطراز ہیں کہ یورپ میں جانب داری کا قانونی تصور تین سو سال سے زیادہ پرانا ہے نہیں اور ابتداء میں یہ تصور مدہم اور دھندلا تھا۔[1] اگر مستشرقین کے غیر جانب داری والے اعتراض پر غور کیا جائے تو یہ تعصب اور لاعلمی کے سواء کچھ بھی نہیں کیوں کہ عہد حاضر میں یہ صورت حال پیدا ہو چکی ہے کہ غیر جانبداری کو نہ صرف معیوب سمجھا جانے لگا بلکہ بلکہ جانب دار ریاست کو نشانہ تک بنایا جانے لگا جس طرح حال ہی میں روس اور ۔۔۔ کی جنگ میں پاکستان جب غیر جانبدار ہوا تو امریکہ نے اس کی سخت مخالفت کی اور پاکستان مخالف بیانات بھی جاری کیے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے جانب داری کو بین الاقوامی اسلامی قانون کی روشنی میں واضح کیا کہ اسلام غیر جانبداری کو تحفظ دیتا ہے جبکہ دیگر قوانین عالم کے ہاں غیر جانب داری سے متعلق اصول واضح نہیں ہیں ڈاکٹر حمید اللہ رقمطراز ہیں کہ :

> "حریت اور غیر جانب داروں کے علاوہ ایک درمیانی صورت کی اجازت نہیں دی جاتی اور کسی غیر جانب دار مملکت کو کھلم کھلا اور سرکاری طور سے کسی ایک فریق جنگ کو اخلاقی یا مادی مدد دینے کی آزادی نہیں ملتی۔ 1973ء میں برطانیہ اور فرانس کی جنگ میں ممالک متحدہ امریکا کا طرز عمل ایک موثر نظیر بن گیا ہے۔ غیر جانب داری کا اصول یہ ہے کہ غیر جانب دار کسی بھی حربی کے ناطرف دار ہیں اور یہ حربی بھی غیر جانب دار کی خود مختاری اور اقتدار و اعلاء کا سختی سے احترام کرے"[2]

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے نہ صرف مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات دیے بلکہ اسلام کے قانون بین الاقوام میں موجود غیر جانبداروں کے حقوق بھی بیان کر دیے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے :

1. غیر جانب دار مملکتوں کی سرزمین میں معرکہ آرائی نہ ہو۔
2. غیر جانب دار علاقے میں جنگی تیاریاں نہ ہوں۔
3. غیر جانب دار کے جنگی اصول و قواعد کی تعمیل کی جائے۔
4. اگر غیر جانب داروں کی حق تلفی ہو تو حربی اس کی تلافی و ازالہ کریں۔[3]

یعنی ہر قسم کے نقصان سے جانب دار کو محفوظ رکھا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کے قانون بین الاقوام میں جانب داری کے اصول و قواعد، حقوق و فرائض اور اس سے متعلقہ مسائل بالتفصیل موجود ہیں جو کہ اسلام کے قانون بین الاقوام کی امتیازی خصوصیت ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اس کو "اسلام کا قانون بین الممالک اصول اور نظیریں" میں اس پر پورا ایک باب باندھا ہے۔[4] یہاں تک کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اس پر ایک رسالہ "زیڈ ڈی ام جی 1935ء" لکھا جس میں غیر جانب داری پر تفصیل درج کی ہے۔

---

[1] اسلام کا قانون بین الممالک اصول اور نظیریں، ص160

[2] ایضاً، ص161

[3] ایضاً، ص166-168

[4] ایضاً، ص159-185

خلاصہ کلام:

مسلم مفکرین بالخصوص ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اسلام کے قانون بین الاقوام پر گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں انہوں نے اس فن پر باقاعدہ "اسلام کے قانون بین الممالک" کی اصطلاح قائم کی اور اسلام کے قانون بین الممالک سے متعلق کئی کتب و رسائل اور مقالہ جات تحریر کیے ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے ہم عصر مفکرین نے آپ کی خدمات کو اسلام کے قانون بین الاقوام کی تشکیل جدید کا دور قرار دیا۔ڈاکٹر صاحب کی تصنیفی خدمات نے اس فن میں کئی گرہیں کشادہ کیں اور بہت سی اصطلاحات متعارف کروائیں ۔ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اسلام کے قانون بین الاقوام پر مستشرقین اور دیگر مغربی مفکرین کی طرف سے لگائے جانے والے اعتراضات کا محققانہ رد کیا جس کی وجہ سے اس فن کو مزید تقویت ملی اور ذہنوں میں پائے جانے والے شبہات کا ازالہ ہوا۔ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے یونانی و رومی قوانین کو ناقص اور غیر اہم قرار دیتے ہوئے اس کے اندر موجود خامیوں کو واضح کیا اور اسلام کے قانون بین الاقوام کی جامعیت و عالمگیریت کو احسن انداز میں بیان کر دیا۔ اسلام کے قانون بین الاقوام کے قانون روما سے ماخوذ ہونے سے متعلق مغربی مفکرین کی جانب سے کیے جانے والے اعتراضات کا بڑی خوش اسلوبی سے رد لکھا اور قانون روما کو انتہائی محدود قانون قرار دے کر اسلامی قانون کی وسعت پر تفصیل درج کی نیز غیر جانب داری کے بارے میں مستشرقین کے الزامات کو بے بنیاد اور جہالت پر مبنی قرار دیا اور اسلام کے قانون بین الاقوام میں موجود غیر جانب داروں کے حقوق و مسائل کو بیان کیا۔ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اسلام کے قانون بین الاقوام کی توضیح و تشریح اور تفہیم کو انتہائی احسن انداز میں امت مسلمہ کے حضور پیش کر دیا جس سے ذہنوں میں موجود شکوک و شبہات دور ہوئے اور نت نئی جہات واضح ہوئیں۔

@ 2022 by the author، this article is an open access article distributed
Under the terms and conditions of the Creative Commons Attribution
(CC-BY) (http://creativecommons.org/licenses/by/4.0/)